مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

# جمہوری عمل اور پاکستان کی سیاست

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جناب جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنے یکم اکتوبر کے نشریہ میں چند در چند وجوہ کی بنا پر غیر معینہ عرصہ کیلئے انتخابات کے التوا کا اعلان کیا ہے جن میں سے چند قابل ذکر یہ ہیں:

۱۔ کسی بھی پارٹی نے اپنا منشور تو پیش کیا نہیں لیکن الجھنا ضرور شروع کر دیا ہے۔ جس سے سیاسی فضا تیرہ و تار ہو گئی ہے۔

۲۔ پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر بھٹو نے مطالبہ کیا ہے کہ انتخابات سے پہلے یہ فیصلہ کر لیا جانا ضروری ہے کہ آیا میں نے ملک و قوم کی خدمت کی ہے یا انہیں لوٹا ہے؟

۳۔ عوامی مطالبہ کے تحت مجرم ضمیر سیاستدانوں کا انتخاب سے پہلے احتساب ضروری ہے۔ تاکہ پھر ایسے لوگ برسر اقتدار نہ آسکیں۔ نیز ایسے لوگوں کے مقدمات سول عدالتیں کریں گی۔ ایسے مقدمات مارشل لاء کی عدالتوں میں نہیں چلائے جائیں گے۔

جنرل صاحب کی اس تقریر پر عوام میں سے اکثریت نے اطمینان کا سانس لیا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ جنرل موصوف کی طرف سے بروقت اور مناسب اقدام نے ملک کو خانہ جنگی کے شدید خطرات سے بچا لیا ہے۔

اس تقریر کے دو ہی دن بعد سیاسی لیڈروں کے بیانات شائع ہونا شروع ہو گئے کہ اس التوا سے جمہوری عمل میں رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے ــــ التواء کا کوئی جواز نہ تھا ــــ مقدمات کا فیصلہ اگر سول عدالتوں نے ہی کرنا تھا تو وہ آنے والی سول حکومت بھی کر سکتی تھی ــــ مقدمات کے فیصلہ میں کئی برس لگ جائیں گے ــــ ملک کی بقا و سالمیت کے لئے جمہوری عمل کی بحالی ضروری ہے ــــ وغیرہ وغیرہ۔

اس وقت سیاسی میدان میں دو ہی قابلِ ذکر متحارب گروہ ہیں۔ ایک قومی اتحاد، جو نظام مصطفےٰ کے نفاذ و اجرا کا داعی ہے اور اسی نعرہ نے اتحاد کی تحریک کو زندگی بخشی ... دوسری پیپلز پارٹی جو بظاہر

تو اسلام کا نام لیتی ہے مگر ان کے نعرے اور لیڈروں کے اسلامی احکام و شعائر کے متعلق طنزیہ خطابات ان کے اس دعویٰ کی تصدیق نہیں کرتے بلکہ بباطن ان سے اسلام دشمنی کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اگر الغوار کے متعلق ایسے اعتراضات صرف پیپلز پارٹی کی طرف سے وارد ہوتے تو ہم انہیں معذور سمجھتے کیونکہ ایک تو ان سے اقتدار چھن گیا اور آئندہ انتخابات ہی ان کی آخری امید ہیں۔ دوسرے مارشل لاء کی حکومت جو نظامِ اسلام کے اجراء کے لئے کئی اقدامات کر بھی چکی ہے، ان کے زبانی دعویٰ کے باوجود ان کے لئے قابلِ قبول نہیں ـــــ لہٰذا ہمیں حیرت تو قومی اتحاد کے ان متقدر اور عالم رہنماؤں پر ہوتی ہے جو اسلامی تعلیمات سے بھی خوب واقف ہیں اور اسلامی نظام کا اجراء ہی اپنا منتہائے مقصود بھی قرار دیتے ہیں۔

ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس مغربی طرزِ جمہوریت یا جمہوری عمل کی جو رٹ لگائی جا رہی ہے، آیا اسے اسلام بھی کچھ اہمیت دیتا ہے یا نہیں!

ارشادِ خداوندی ہے:

"وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ" (۶ : ۱۱۶)

(اے نبی) اگر آپ اکثریت کے پیچھے لگیں گے تو یہ لوگ آپ کو خدا کی راہ سے بہکا دیں گے۔

معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے ارشادات کے مقابلہ میں جمہور کی رائے کی کچھ حقیقت نہیں اور یہ سراسر گمراہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک حق و باطل کے معرکہ میں حق ووٹوں یا کثرتِ رائے سے کبھی غالب نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔ ورنہ انبیاء اسی پرامن انتقالِ اقتدار کے ذرائع اپناتے۔

موجودہ سال پاکستان میں علامہ اقبال کے سال کے طور پر منایا جا رہا ہے۔ اتفاق کی بات ہے کہ پاکستان کی تمام سیاسی پارٹیاں علامہ اقبال کی تعلیمات کی مداح اور ان کی عقیدت سے سرشار نظر آتی ہیں۔ لہٰذا مناسب ہوگا کہ اس جمہوریت کے متعلق علامہ اقبال کے اقوال و ارشادات کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ فرماتے ہیں ؎

گریز از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانی نمی آید!

(ترجمہ) جمہوری طرزِ حکومت سے دور بھاگ اور کسی مردِ مومن کی اطاعت کر لے۔ کیونکہ دو سو گدھوں کا دماغ ایک انسان کی سوچ کے برابر نہیں ہو سکتا۔

کسی دوسرے مقام پر فرمایا:

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے

آپ اس تمام تر جمہوری دھندے ہی سے بیزار تھے ؎

الیکشن، ممبری، کونسل، صدارت — بنائے خوب آزادی کے پھندے
میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ — نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

وجہ یہ ہے کہ اس طرزِ انتخاب یا الیکشن کے نقصانات بمصداق "واثمھما اکبر من نفعھما" اس کے فوائد سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ سر دست ہمیں ان خطرات کی طرف اشارہ کرنا مقصود نہیں۔ بلکہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ اسلام میں جمہوری عمل کا کیا مقام ہے اور وہ کیسی جمہوریت چاہتا ہے!

اسلام میں جمہوریت کا دائرۂ عمل اس مغربی جمہوریت سے وسیع تر ہے۔ جمہور کے لغوی معنی ہیں "سب یا کسی چیز کا کثیر حصہ"۔ اور جمہوری عمل ہر وہ کام ہے جس کا فائدہ سب لوگوں کو یا ان کی کثیر تعداد کو پہنچے۔ لہٰذا اسلام سب سے پہلے انسان کے بنیادی حقوق، ہر شہری کی جان، مال اور عزت کی پوری طرح پاسبانی کرتا ہے۔ ضابطہ قانون سے بھی اور ضابطۂ اخلاق سے بھی۔ آپ تھوڑا سا غور فرمائیں تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ جن جرائم کی سزا اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں مقرر فرمائی ہے، ان سب کا تعلق بنیادی حقوق سے ہے اور یہ تعزیرات اتنی سخت اور عبرتناک ہیں کہ ان کے اجراء کے بعد معاشرہ سے جرائم خود بخود ناپید ہو جاتے ہیں اور انسانیت امن و امان کا سانس لینے لگتی ہے۔ قتل کی سزا قتل یا گراں بہا معاوضہ (بشرط رضامندی ورثائے مقتول) یہ جان کا تحفظ ہے۔ چوری، ڈاکہ زنی کی سزا قطع ید (یا ہاتھ کاٹنا) کا تعلق لوگوں کے اموال سے ہے۔ زنا اور تہمت کی سزا (رجم یا کوڑے لگانا) کا تعلق عوام الناس کی عزت سے ہے۔

جرم کے ثابت ہو جانے کے بعد ان سزاؤں کا نفاذ برسرِ عام ہوگا تاکہ رہتی دنیا تک کو عبرت ہو۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ان سزاؤں کے اجراء کے وقت کسی کو مجرموں پر ترس نہ کھانا چاہیے"۔

ایک مرتبہ کسی انگریز نے علامہ اقبال سے کہا کہ "اسلام میں چور کی سزا بڑی غیر مہذبانہ ہے"!

علامہ موصوف نے برجستہ جواب دیا، "کیا آپ کے خیال میں چور مہذب ہوتا ہے؟"

وہ انگریز تو یہ جواب سن کر چپ ہو گیا لیکن آج صورتِ حال یہ ہے کہ چور واقعی مہذب بن بیٹھا ہے اور مہذب لوگ اکثر چوری کیا کرتے ہیں۔ یہ غبن، چوری اور رستہ گیری کے آئے دن کے نئے نئے انکشافات صاف بتلاتے ہیں کہ یہ مہذب طبقہ خود ہی چوری کرتا رہا اور ان کی

پشت پناہی کی بنا پر دوسرے بھی اس کاروبار میں مصروف رہے۔

جب محترم جنرل صاحب نے چور کی شرعی سزا کے نفاذ اور بر سرِ عام کوڑے لگانے کا اعلان کیا تو یہی مہذب لوگ انسانیت پر رحم کے نام پر جنرل موصوف کے پاس سفارشی بن کر پہنچے۔ جو دراصل انسانیت پر رحم کی سفارش نہ تھی بلکہ چور کی سفارش تھی۔ اگر میں چور نہیں ہوں یا چوری کا ارادہ نہیں رکھتا تو چور کی سزا ایک ہاتھ کی بجائے، دونوں ہاتھ کاٹنا بھی مقرر ہو جائے تو میری بلا سے ؎

آں را کہ حساب پاک است از محاسبہ چہ باک

خدا تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ وہ فرماتا ہے:

"لا تأخذکم بهما رأفة في دين الله"

کہ خدا کی مقرر کردہ سزاؤں کے اجراء کے وقت اس مرد یا عورت پر کسی کو ترس نہ کھانا چاہیئے!

تو کیا یہ لوگ رحم کی اپیل پر خدا کی رحمت کو چیلنج کرنا چاہتے ہیں؟

عجیب تر بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان بنیادی حقوق کو پامال کرنے والوں کے علاوہ کسی کی سزا مقرر نہیں فرمائی۔ ان جرائم کی ذیلی دفعات اور دوسرے جرائم کی سزا تجویز کرنے کا کام مجلس شوریٰ پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

اب ضابطہ اخلاق ملاحظہ فرمایئے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده"

"مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں"

غور فرمایئے، اس حدیث کے ایک ہی جملے میں انسان کے بنیادی حقوق کا کتنا ہمہ گیر تصور موجود ہے کہ دوسروں کے بنیادی حقوق کی پامالی یا زبان سے کی جا سکتی ہے یا ہاتھ سے!

ایک دوسرے موقعہ پر آپؐ نے فرمایا:

"مسلمان وہ ہے جو دوسروں کے لئے بھی وہی کچھ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے!"

تو کیا کوئی شخص کسی دوسرے سے اپنی بے آبروئی، گالی گلوچ، غیبت یا جان و مال کا نقصان پسند کرتا ہے؟ اگر نہیں کرتا تو اسے دوسروں کے حقوق کا بھی خیال رکھنا ہوگا ورنہ وہ مسلمان نہیں!

جمہوری عمل کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ معاشرہ کا ہر فرد عزت و آبرو کے لحاظ سے یکساں متصور ہو۔ بنیادی حقوق کے تحفظ کا نام تو سب حکومتیں لیتی ہیں، ان کے آئین میں دفعات بھی موجود ہیں۔ ہمارے پاکستان کے آئین میں بھی موجود ہیں۔ لیکن اس سے زیادہ ہماری بدقسمتی کیا ہو سکتی ہے کہ ہمارے آئین میں ایسی دفعات

بھی موجود ہیں کہ ملک کا وزیرِ اعظم، وزرائے اعلیٰ اور گورنر نہ فوجداری میں ملوث متصور کئے جا سکتے ہیں نہ انہیں کوئی بڑی سے بڑی عدالت طلب کر سکتی ہے۔ گویا یہ لوگ اگر غنڈہ گردی کرنا یا کرانا چاہیں تو ان پر مؤاخذہ اور محاسبہ کی کوئی صورت نہیں۔ ہمارے ہاں جو غنڈہ گردی بھٹو حکومت میں پروان چڑھی تو یہ سب ایسے ہی قوانین کی مرہونِ منت ہے۔ کیا انسانی حقوق کی پامالی کی اس سے بدترین مثال ہو سکتی ہے؟ اسلامی عدالت میں تو ایک یہودی بھی خلیفۃ المسلمین کو عدالت میں لا کھڑا کر سکتا ہے۔ پھر کیا ان لوگوں کی عزت و آبرو ان سے بالاتر ہے؟

اسلام پر امن انتقالِ اقتدار، ارکانِ اسمبلی اور وضعِ قوانین کے متعلق بھی پوری پوری ہدایات دیتا ہے۔ جسے بوجہ طوالت نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

---

جنرل صاحب موصوف نے جس عزم سے پاکستان میں اسلامی نظام کے اجراء کا بار بار اعلان کیا اور اس کے لئے وہ عملی قدم اٹھا بھی چکے ہیں، چاہیئے تو یہ تھا کہ قومی اتحاد کے لیڈر مختلف اور متضاد بیانات سے، جو لوگوں میں شکوک و شبہات کا باعث بن رہے ہیں، گریز کرتے اور آگے بڑھ کر دل و جان سے جنرل صاحب کے مددگار ثابت ہوتے۔ کیونکہ ان کا اپنا مقصد پورا ہو رہا تھا۔ لیکن ہوا یہ کہ الٹا انتخابات جلد کروانے کے مطالبات سے احتساب کے کام میں ایک طرح سے رکاوٹ ڈالی جا رہی ہے۔ بے وقت کے یہ مطالبات ہوسِ اقتدار کی غمازی کرتے ہیں ——— جنرل صاحب نے آپ ہی کے کام کی بنا رکھ دی ہے۔ ان شاء اللہ آپ کو موقع ملے گا تو آپ اس پر جتنا مضبوط اور خوبصورت محل تعمیر کرنا چاہیں کریں، اس کی تزئین کریں، آرائش کریں۔ آپ کے کرنے کے بہت کچھ کام باقی ہوں گے۔

قومی اتحاد کے مقاصد جو اب تک عوام کے سامنے آئے، وہ دو تھے۔ بھٹو حکومت کے جبر و استبداد سے نجات اور دوسرے نظامِ مصطفےٰ کا قیام۔ ان میں سے پہلا تو خدا کے فضل و کرم سے پورا ہوا، دوسرا مقصد نہایت نیک نیتی سے اپنایا جا چکا ہے اور جنرل صاحب اس راستے پر سرعت سے گامزن ہیں ——— قومی اتحاد کے مقاصد جوں جوں پورے ہوتے جا رہے ہیں، اس کی اہمیت کم اور انتشار کا خطرہ بڑھتا جا رہا ہے۔ لہٰذا اب قومی اتحاد کی بقا کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے لئے نئی منزلیں تلاش کرے۔ اپنے جلسوں اور مجلسوں میں بھٹو حکومت کے جور و ستم کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ کام اب عدالتوں کے ذمہ ہے۔ اب انہیں اسلام کے تمام تر گوشہ ہائے زندگی کو اجاگر کرنے، اسلامی نظام کے ثمرات و برکات سے روشناس کرانے اور بدکے ہوئے

لوگوں کو اپنے قریب تر لانے کی ضرورت ہے۔ اسلامی تعزیرات پر اعتراضات کا مدلل اور تسلی بخش جواب دینے اور اس کے فوائد سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہے۔ بنک سے سود کے اخراج کی متبادل تجاویز وضع کرنے اور پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ عدالتی نظام کو ایسے قانونی ڈھانچہ میں ڈھالنے کی ضرورت ہے کہ عام لوگ آسانی سے انصاف حاصل کر سکیں اور سالہا سال تک نہ ختم ہونے والے مقدمات سے ان کی جان چھوٹے۔ نیز ایسے نظامِ تعلیم کی ضرورت ہے کہ جس سے نئی پود دنیوی علوم میں مہارت کے علاوہ دیانتدار اور اسلام کی شیدائی ہو ——— ان تمام امور میں اسلامی مشاورتی کونسل سے رابطہ رکھیں اور اسی طرح دوسرے متعلقہ اداروں سے بھی! یہی چیز ان کی کنویسنگ کا محور ہونی چاہیئے۔ اور اسی صورت میں قومی اتحاد زندہ و پائندہ رہ سکتا ہے۔ ان کے پاس کافی وقت ہے، وقت سے فائدہ اٹھائیں، اسلام کی صحیح معنوں میں خدمت کریں، زمین خود بخود ان کے لئے ہموار ہو جائے گی اور ان مبارک کام میں مصروفیت ان کے اختلافات کو ختم کرنے کا باعث بھی بنے گی۔

قومی اتحاد کے ایک راہنما کا یہ بیان کہ "اگر احتساب اور مقدمات کا تصفیہ سول عدالتوں ہی میں ہونا تھا، تو یہ کام تو آئندہ منتخب حکومت بھی کر سکتی تھی" ——— میں سمجھتا ہوں، ان کی خوش فہمی کے سوا کچھ نہیں۔ بڑے لوگ اپنے پر رونق جلسے دیکھتے اور اپنے حق میں نعرے سن کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ لیکن حقیقت حقیقت ہی رہتی ہے ——— مارشل لاء کے نفاذ کے بعد پیپلز پارٹی میں گویا نئے سرے سے جان پڑ گئی اور ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ اگر قومی اتحاد جیت بھی جائے تو اپوزیشن اتنی مضبوط بن سکتی ہے کہ نظامِ مصطفےٰ کا نفاذ تو درکنار، کوئی بھی تعمیری کام نہ ہو پائے گا۔ تو پھر کونسی نمائندہ حکومت کس کا محاسبہ کرتی؟

پیپلز پارٹی کی نشاۃ ثانیہ کے وجوہ کو بھی ملحوظ رکھنا اور ان پر غور و فکر ضروری ہے۔ ہمارے خیال میں یہ وجوہ مندرجہ ذیل تھیں:

۱۔ پارٹی کے لیڈروں کی گرفتاری نے پارٹی کے احساسات کو سخت جھنجھوڑا دیا، ظالم مظلوم بن گئے اور عوام کی بدروی ہمدردی کی آڑ میں غیر محسوس طریقہ سے ان کے ساتھ شامل ہو گئی۔

۲۔ آئندہ انتخابات میں ناکامی کی صورت میں عقوبتِ اعمال کے تصور نے پیپلز پارٹی کو مرنے مارنے پر مجبور کر دیا۔

۳۔ روسی روپیہ کی ریل پیل (بحوالہ اسلامی جمہوریہ، نوائے وقت ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۷ء) سے پروپیگنڈہ

۴۔ قومی اتحاد کے لیڈروں کی گاہے بگاہے تضاد بیانی اور نشستوں کی تعیین میں باہمی آویزش نے عوام کو بدظن کیا اور پیپلز پارٹی نے اس سے خوب فائدہ اٹھایا۔

۵۔ جہاں تک اسلام کے نام پر قربانی دینے کا تعلق تھا، عوام نے بےمثال جوش و عقیدت کا مظاہرہ کیا اور اس مشن میں سرکاری محکموں میں سے بھی اکثریت، دل سے قومی اتحاد کے ساتھ تھی۔ مگر جب مارشل لاء کے نفاذ کے بعد کوڑوں کی سزا اور قطعِ ید کا اعلان و اجرار ہوا تو ہر وہ حرام خور یا حرام کار طبقہ جس پر اس کی زد پڑ سکتی تھی پیپلز پارٹی کی طرف مائل ہو گیا —— یہ اجرار غلط کام نہ تھا۔ لیکن قومی اتحاد کے لیڈروں کا یہ فرضِ اولین ہونا چاہیے تھا کہ اسلامی تعزیرات کے زحمت کی بجائے رحمت ثابت کرنے میں دن رات ایک کر دیتے۔ لیکن یہاں بیان بازی ہی سے فرصت نہ تھی جبکہ پیپلز پارٹی اس رحمت کو ظلم ثابت کرتے اور انسانیت کے نام پر رحم کی اپیلیں کرکے عوام کی ہمدردی کا ناٹک رچانے کی کوشش کر رہی تھی۔

۶۔ ایسے کاروبار جن کی اسلام میں گنجائش نہیں مثلاً خاندانی منصوبہ بندی، فلم انڈسٹری، بیمہ کمپنیاں، ثقافت کے نام پر فحاشی اور بےحیائی کے مراکز وغیرہ۔ ان سے منسلک لوگ بھی پیپلز پارٹی کی طرف جھک گئے۔

۷۔ وہ آوارہ مزاج اور آوارہ منش انسان جو اسلام کی پابندیوں سے بدکتے ہیں۔ اور وہ مرد و عورتیں جو فحاشی اور بےحیائی کے دلدادہ، رقص و سرود کے متوالے اور سینما بینی کے شائقین ہیں، ان سب لوگوں کو پیپلز پارٹی ہی میں پناہ کی صورت نظر آئی۔

۸۔ دیہات میں کسی سیاسی پارٹی میں شمولیت یا اس سے اخراج دیہاتیوں کی اپنی دھڑے بندیوں کی بنا پر ہوتا ہے۔ مثلاً جاٹ اور ارائیں کا آپس میں تنازعہ ہو تو جاٹ اگر قومی اتحاد میں شامل ہیں تو ارائیں پیپلز پارٹی میں ہو جائیں گے یا صورتِ حال اس کے برعکس ہو سکتی ہے۔ بہرحال سیاسی حالات خواہ کوئی سا رخ اختیار کریں جب تک ان کا اپنا تنازعہ ختم نہ ہو وہ پارٹی بدل نہیں سکتے۔ اس پر طرہ یہ کہ انتخابی مہم میں دیہات کو بری طرح نظرانداز کیا گیا۔ ذاتی طور پر ہمیں علم ہے کہ ایک پورے علاقہ کے مرد عورتیں اور بچے صبح آٹھ بجے سے سہ پہر تین بجے تک بھوکے پیاسے دھوپ میں، قومی اتحاد کے ایک بڑے راہنما کی تقریر کے انتظار میں بیٹھے رہے۔ لیکن یہ پہنچ نہ سکے اور لوگ ان کے اسلام کو طعنے دیتے ہوئے گھروں کو واپس ہو گئے۔

یہ ہیں وہ حالات اور حقائق جن کی نشاندہی ضروری تھی۔ علاوہ ازیں ایک بڑی تاریخی حقیقت کو نظرانداز کرنا بھی ناممکن ہے اور وہ یہ کہ بدی ہمیشہ نیکی کے مقابلہ میں کم رہی ہے —— اور قرآنِ مجید

بھی شاہد ہے:

"والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات۔"

اندریں حالات آئندہ ہونے والے انتخابات، انتخابات نہیں حق و باطل کا معرکہ ہوں گے، نیکی اور بدی کی جنگ ہوگی — اور ہمیں حیرت ہے ان موجودہ جمہوریت کے علمبرداروں پر جو یہ جنگ کثرتِ تعداد کے بل پر لڑنا چاہتے ہیں — جو بندوں کو گننا چاہتے ہیں تولنا نہیں چاہتے اور پھر بھی حق کی فتح کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔ گویا اب ایک نئی تاریخ مرتب ہوگی اور وہ پچھلی تمام تاریخ غلط ثابت کردے گی، سابقہ تمام ریکارڈ توڑ دے گی، روایات کو جھٹلا دیگی کہ اب الحاد اور مادہ پرستی کے اس دور میں حق پرستوں کی تعداد زیادہ ہے اور شیطان کے پیچھے بھاگنے والے بہت کم رہ گئے ہیں۔

— یہ اسی جمہوریت کا شعبدہ ہے کہ مختلف پارٹیوں میں سے اگر ایک اسلام کا نعرہ لگا رہی ہے تو دوسری سوشلزم کا نعرہ لگا رہی ہے اور تیسری ان دونوں کے ملغوبہ یعنی اسلامی سوشلزم کا!

— کیا یہ ایک اسلامی ریاست کا نقشہ ہے؟ — اسلام کہتا ہے جو سربراہی کے لئے خود کو پیش کرے اسے کبھی سربراہ منتخب نہ کرو — یہاں پوری سیاست کی عمارت ہی "میں یہ کردونگا" کی بنیاد پر قائم ہے — یہ شور و غوغا یہ ہاؤ ہو، یہ زندہ باد، مردہ باد، فلاں کتّا ہائے ہائے کے نعرے، یہ ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنا، برسرِ عام مخالفین کی تذلیل اور ان کی کمزوریوں کی تشہیر — اور خود کو فرشتہ ثابت کرنا — یہ انتخابی مہمیں اور ان کے بے پناہ اخراجات، ان سب کی گنجائش کیا اسلام میں موجود ہے؟ — کیا یہ تمام چیزیں اتحاد و وحدتِ ملتِ اسلامیہ کے لئے سمِ قاتل، اور اس کے افتراق و تشتت کا باعث نہیں ہیں جس کا واضح نقشہ ہم اپنے معاشرہ میں دیکھ رہے ہیں۔ آخر اس خطہ میں بسنے والے یہ مسلمان ہی تو ہیں ایک خدا، ایک رسول اور ایک قرآن کو ماننے والے، جن کے ہاتھ ایک دوسرے کے گریبانوں تک جا پہنچے ہیں حتیٰ کہ خانہ جنگی کے آثار نظر آنے لگتے ہیں۔

پس ملکی سالمیت اور اس کے استحکام و بقا کی ایک ہی صورت ہے کہ اسے اسلام کی آغوش میں پناہ دے دی جائے جس کے لئے موجودہ حالات بیحد سازگار ہیں — جنرل ضیاء الحق اللہ کا نام لے کر ایک آرڈیننس کے ذریعے مکمل اسلامی نظام ملک میں نافذ کر دیں، علماء اور مخلص سیاستدان ان سے تعاون کریں اور اس سلسلہ میں پیش آمدہ مسائل کا مل بیٹھ کر حل تجویز کریں — ہمیں یقین ہے کہ جب انتقالِ اقتدار کا مرحلہ آئیگا تو اس کے لئے اسلامی طرز پر تشکیلِ حکومت کی راہ خود بخود ہموار ہو چکی ہوگی اور جو بات اس وقت ناممکن نظر آتی ہے، اس کی آسان ترین صورت اس وقت ہمارے سامنے ہوگی کیونکہ خدا ضرور اپنے مخلص بندوں کی مدد فرماتا ہے — فاذا عزمت فتوکل علی اللہ!